بسم الله الرحمن الرحیم

ایک دیکھ بھال کرنے والی ذمہ دار ریاست کی نگرانی میں چلنے والی معیشت

سرمایہ دارانہ نظام میں غربت کے خاتمے اور ترقی کی رفتار کو تیز کرنے کے لیے بڑے پیمانے پر نجکاری کا نسخہ تجویز کیا جاتا ہے۔ یہی وہ موقف ہے جو 10 جون 2019 کو وزیر اعظم کے مشیر برائے مالیات، محاصل اور معاشی امور ڈاکٹر عبد الحفیظ شیخ نے اختیار کیا جب انہوں نے کہا کہ حکومت کی ترجیح "اداروں کو ٹھیک کرنا ہے" اور مزید کہا کہ ہمارے ادارے جیسا کہ توانائی، گیس، اسٹیل، پی آئی اے، ریلویز اور انشورنس وغیرہ کو کئی سال سے کھوکھلا کر دیا گیا ہے"۔ انہوں نے ان اداروں کو "سفید ہاتھی" قرار دیا جبکہ اس صورتحال سے نکلنے کے لیے "مواقع کے متلاشی بیرونی سرمایہ کاروں" کی طرف اشارہ کیا۔

واشنگٹن اتفاق رائے (Washington Consensus) کے اس دور میں عالمی بینک اور آئی ایم ایف "ترقی پزیر ممالک" پر نجی شعبہ کے ذریعے پیداوار بڑھانے پر زور دیتے ہیں۔ اس نقطہ نظر یا بیانیے کو آگے بڑھانے کے لیے یہ دلیل دی جاتی ہے کہ حکومتی ادارے ریاست کے خزانے کو جونکوں کی طرح چوس رہے ہیں لہٰذا انہیں لازمی طور پر نجی شعبے کے حوالے کر دیا جانا چاہیے۔ یہ دلیل بھی دی جاتی ہے کہ وسیع پیمانے پر کرپشن اور ریاست کی نااہلی ان اداروں کو موثر طور پر چلانے میں ایک بہت بڑی رکاوٹ ہے۔ عالمی بینک کا پکا آدمی ہونے کے ناطے یہ کوئی حیران کن بات نہیں کہ ڈاکٹر عبد الحفیظ شیخ نجکاری پر بہت زور دے رہے ہیں۔

لیکن نجکاری کے دیگر پہلو بھی ہیں۔ کئی معاشی تحقیقات میں اس بات کو تسلیم کیا گیا ہے کہ نجکاری کے ساتھ کچھ نقصانات اور فوائد دونوں ہی منسلک ہوتے ہیں۔ مشرف کے دور میں انہی ڈاکٹر عبد الحفیظ شیخ نے نجکاری کی مہم چلائی تھی۔ جن اداروں کی اُس وقت نجکاری کی گئی وہ نجکاری سے قبل منافع کما رہے تھے یا یہ کہ نجکاری کے بعد ان اداروں نے زبردست منافع کمانا شروع کر دیا۔ نجکاری کے بعد جو منافع آتا ہے وہ ریاست کے خالی خزانے کو بھرنے کی بجائے نئے مالکان کی جیبوں میں جاتا ہے۔ حقیقت میں کامیاب اداروں کا منافع بالآخر نجی ہاتھوں میں چلا جاتا ہے جن میں سے اکثر ہاتھ غیر ملکی ہوتے ہیں جبکہ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ان اداروں سے جو منافع آتا وہ عام آدمی کی فلاح و بہبود پر خرچ کرنے کے لیے ریاست کے خزانے میں آتا۔ لیکن اب ریاست وہ پورا منافع تو حاصل نہیں کر سکتی البتہ اسے صرف اس منافع پر لگنے والے ٹیکس پر ہی اکتفا کرنا پڑتا ہے۔ لیکن معاملہ یہی ختم نہیں ہو جاتا بلکہ ریاست کو لازماً آئی ایم ایف کی ہدایت پر بڑے کاروباروں کو ٹیکس مراعات دینی پڑتی ہیں تا کہ براہِ راست بیرونی سرمایہ کاری (FDI) کے لیے حوصلہ افزا ماحول تیار ہو سکے۔ اس تمام صورتحال میں اصل کامیابی چند نجی سرمایہ کاروں کو حاصل ہوتی ہے جبکہ ناکامی بہت سارے لوگ کا مقدر بنتی ہے، جن میں اکثریت عوام کی ہوتی ہے۔

سرمایہ داریت اور سوشلزم کے برخلاف اسلام منفرد طریقے سے نجی ملکیت کو محدود کرتا ہے یعنی افراد کو کچھ اشیاء کا مالک بننے سے روک دیتا ہے جبکہ دیگر اشیا کو نہ صرف نجی شعبے میں جانے سے نہیں روکتا بلکہ ان کی مقدار و تعداد پر بھی کوئی قدغن نہیں لگاتا۔ اگر کسی چیز کے نجی ہاتھوں میں جانے سے عوام لازمی طور پر اس چیز سے فائدہ اٹھانے سے محروم ہو جاتے ہوں تو یہ درست و مناسب ہے کہ ایک فرد کو اس چیز کا مالکِ مطلق بننے سے روک دیا جائے جیسا کہ توانائی، معدنی ذخائر، عوامی سڑکیں، چوراہے، دریا، سمندر اور ان جیسی دیگر اشیا۔ اس پابندی کا فیصلہ چیز کی نوعیت کو دیکھ کر کیا جاتا ہے۔

اسلام منفرد طریقے سے توانائی اور معدنیات کو نجکاری سے باہر کر دیتا ہے۔ اسلام انہیں عوامی ملکیت قرار دیتا ہے اور اس طرح پورا معاشرہ ان سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ اس کے علاوہ اسلام میں کمپنی کے ڈھانچے سے متعلق احکامات خود بخود ایسے شعبوں میں نجی سیکٹر کے کردار کو محدود کر دیتے ہیں جو بہت بڑے اور وسیع ہوتے ہیں اور جن میں بہت بڑے پیمانے پر سرمایہ کاری کی ضرورت ہوتی ہے، اس طرح بھاری صنعتوں، ٹیلی کمیونی کیشن، تعمیرات اور ٹرانسپورٹ کے شعبوں میں بنیادی کردار عوامی شعبے (پبلک سیکٹر) کو حاصل ہو جاتا ہے۔ آج کے دور کے برخلاف ریاست خلافت کے سرکاری خزانے کو بھرنے کے لیے سودی قرضوں اور غریب و ضرورت مند افراد پر ظالمانہ ٹیکس لگانے کی ضرورت ہی نہیں ہو گی کیونکہ ایک تو اسلام نے انہیں حرام قرار دیا ہے اور دوسرا یہ کہ ریاست خلافت کے پاس وہ ذرائع میسر ہوں گے جن کے ذریعے سے بھاری محصول حاصل ہوں گے۔ معاشی صورتحال سے گھبرا کر نجکاری کرنے کے بجائے خلیفہ اس بات پر مجبور ہو گا کہ وہ حکومتی اداروں سے کرپشن اور نااہلی کو ختم کرے، اس طرح یہ ادارے ریاستی خزانے کو چوسیں گے نہیں بلکہ مال و دولت سے بھر دیں گے۔

حزب التحریر کے مرکزی میڈیا آفس کے لیے یہ مضمون لکھا گیا

تحریر: مصعب عمیر، پاکستان